

قط اول:

تصوف کے بارے میں ایک علمی تحقیق

تصوف و سلوک

مولانا سید باچا آغا صاحبزادہ

لیکچرر گورنمنٹ ڈگری کالج کوئٹہ

تصوف کی تعریف:

تصوف کی تعریف کے سلسلے میں کافی بحث و تمحیص پائی جاتی ہے، اس کی ابھی تک کوئی ایک تعریف نہیں ہو سکی۔ مختلف لوگوں نے اس کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری نے رسالہ قشیریہ میں تصوف کی بے شمار تعریفات درج کی ہیں جن میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

امام قشیری حضرت جنید بغدادیؒ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ: ”تصوف حضور قلب سے ذکر کرنے اور سن کر وجد میں آنے اور اتباع سنت کرتے ہوئے عمل کرنے کا نام ہے۔“ (1) ایک دوسری جگہ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا ہے کہ: ”تصوف یہ ہے کہ حق تعالیٰ تجھے تیری ذات سے پناہ کر دے اور اپنی ذات کے ساتھ زندہ رکھے۔“ (2) حضرت ابوسعید اعرابیؒ فرماتے ہیں کہ: ”التصوف کلمہ ترک الفضول (یعنی تمام فضولیات کے چھوڑ دینے اور یگانگی کا نام تصوف ہے۔“ (3) امام ابوبکر ابواسحاق فرماتے ہیں کہ: ”حق تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار رہنے کا نام تصوف ہے۔“ (4) حضرت ابوالحسن نورؒی فرماتے ہیں کہ: ”التصوف ترک کل حظ للنفس (یعنی تصوف تمام نفسانی حظوظ اور لذتوں سے دست کش ہونا ہے) ایک دوسرے قول میں فرماتے ہیں کہ: ”الصوفیۃ ہم الذین صفت ارواحهم ، فصاروا فی الصف الاول بین یدی الحق۔“ (5)

یعنی صوفیائے کرام کا وہ گردہ ہے جن کی جانیں کدورت بشریہ سے آزاد اور آفت نفسانیہ سے پاک و صاف ہو کر آرزوئے تمنا سے بے نیاز ہو گئی ہیں۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ کے حضور بلند درجہ اور صف اول میں آرام گستر ہیں اور ماسوی اللہ سے وہ مکمل کنارہ کش ہو چکے ہیں۔

حضری علیہ فرماتے ہیں کہ: ”التصوف صفاء السیر من کدورة المخالفة یعنی تصوف کی تعریف یہ ہے کہ دل کو مخالفت کی کدورت و میل سے صاف رکھے مطلب یہ کہ دل کو حق تعالیٰ کی مخالفت سے محفوظ رکھو، کیونکہ دوستی موافقت کا نام ہے اور موافقت، مخالفت کی ضد ہے، دوست کو لازم ہے کہ سارے جہاں میں دوست کے احکام کی مخالفت کرے۔“ (6) حضرت محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ: ”التصوف خلق فممن زاد علیک فی زاد علیک فی الخلق، زاد علیک فی التصوف“ یعنی تصوف پاکیزہ اخلاق کا نام ہے پس جو زیادہ پاکیزہ اخلاق ہو وہ زیادہ صوفی ہے۔“ (7) حضرت ابوعبداللہ رودباریؒ فرماتے ہیں کہ: ”التصوف ترک التکلف و اشتغال النظر و خلاف المترف، یعنی تصوف تکلف کو چھوڑنے اور پاکیزگی کا بتاؤ کرنے اور بڑائی کو دور کرنے کا نام ہے۔“ (8) حضرت معروف کرّنیؒ فرماتے ہیں کہ: ”تصوف کے معنی ہیں حقائق کا حاصل کرنا۔“

مخلوق کے ہاتھ میں از قبیل اقتدار جو کچھ ہے اس سے یکروگردان ہو جانا۔ (9) ابو محمد جریریؒ فرماتے ہیں کہ: تصوف کے معنی یہ ہے کہ جملہ اخلاق حمیدہ اور اوصاف طیبہ کے میدان میں داخل ہو جانا، اور ہر قسم کے اخلاق رذیلہ اور اوصاف ردیہ سے پاک صاف ہو جانا۔ (10) حضرت علیؑ جویری داتا گنج بخشؒ کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ: ”المصفا ولاية ولها آية رواية والتصوف حكاية للصفاء بلا شكاية“ (صفاء واپت کی منزل ہے اور اس کی نشانیاں ہیں اور تصوف ”صف“ کی ایسی حکایت و تعبیر ہے جس میں شکوہ و شکایت نہ ہو۔) (11) حضرت ابوالحسن سیروانیؒ فرماتے ہیں کہ: ”التصوف ترك الخلق و افراط الهمة.“ (12) ”یعنی تصوف خلق کے ترک اور ہمت کی زیادتی کا نام ہے۔“ ☆ عارف عبد المتین لکھتے ہیں کہ: ”تصوف نوں شرعت تے طریقت دے ویلے نال سچائی تیک اپڑان والا عملی منصوبہ قرار دتا جاسکدا۔“ (13) ”یعنی تصوف شرعت تے طریقت کے ویلے سے سچائی تک پہنچنے کا ایک عملی طریقہ قرار دیا جاسکتا ہے۔“

ان تعریفات کی روشنی میں اس حقیقت کا تعین مشکل نہیں کہ تصوف قلب کی پاکیزگی، حقیقت مطق کو پانے کی تڑپ، اوصاف حمیدہ کے حصول، بلندی اخلاق اور ترک علاق کا نام ہے۔ تصوف کی راہ سے انسان نے نیک خلق حاصل کیا، قناعت کا درس سیکھا، ضبط نفس کے مراحل سے گزرا اور آگہی کی منازل کو طے کیا۔ ظاہر ہے کہ انسانی سیرت اور خصائل و فضائل کی محراج اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے۔

تصوف کی اہمیت:

انسان وجود کے ارتقاء، ارتقاء اور بقاء کا دار و مدار جسم اور روح کی ہم آہنگی پر ہے، یوں بھی ہر چیز کی دورخ ہوتے ہے ایک ظاہری اور دوسرا باطنی، خارج کا تعلق انسان کی ظاہری ساخت اور برتاؤ سے ہوتا ہے، جبکہ باطن کا تعلق انسان کے اندر کے ساتھ ہوتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ باہر کے رویوں کا تعین اندر کے محرکات سے ہوتا ہے اور اندر کے رویوں کا تعین خارجی ماحول کے تحت ہوتا ہے۔ اسلام میں ان دونوں پہلوؤں کو دو اصطلاحات کے ذریعے بیان کیا جاتا ہے، ایک شریعت اور دوسری طریقت۔ ایک تعلق عبادات سے ہے اور دوسری کا تعلق معاملات سے، ایک کا تعلق عمل سے ہے اور دوسری کا سوچنے سے اور محسوس کرنے سے۔ بالفاظ دیگر شریعت ارکان اسلام کی پابندی سے متعلق احکامات پر مشتمل ہے، جبکہ طریقت باطن کی پاکیزگی اور سوچ و احساس کے ذریعے داخلی رویوں کے اصلاح کے ساتھ ہے۔ لیکن جس طرح جسم اور روح کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا اسی طرح شریعت اور طریقت بھی ایک دوسرے میں ضم ہیں۔ تصوف کا تعلق اگرچہ دونوں کے ساتھ ہے لیکن اس کا زیادہ جھکاؤ طریقت کی طرف ہوتا ہے، یعنی اندر کی طرف اس کا جھکاؤ زیادہ ہے۔ یوں بھی تصوف (Mysticism) اصل کے اعتبار سے یونی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی آنکھیں بند کر لینا ہیں (14) ”یعنی اسے دنیائے محسوسات سے ہٹ کر باطنی حقیقت کی طرف رجوع کر لینا کہا جاسکتا ہے“، کہ تصوف تزکیہ نفس کے بعد اپنی اصل ہو جانے کے ذوق کا سفر ہے یعنی پاکیزگی باطن کے عمل سے گزر کر حقیقت مطلق سے ہمکنار ہونے کا۔

تصوف مذہب کی روح ہے کیونکہ تصوف کی رہنمائی میں انسان مقصود حقیقی کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے دل کو بھی اسی کی

نگہبانی میں دے دیتا ہے۔ انسان کی خارجی زندگی جس کا تعلق عقل کے ساتھ ہے یا روحانی زندگی جس کا تعلق باطن کے ساتھ ہے، تصوف کی کارفرمائی ہر کہیں جاری و ساری رہی ہے۔ مذہب کی طرح تصوف بھی ایک عالمگیر صداقت ہے، جس طرح تصور مذہب سے کوئی قوم خالی نہیں ہے اسی طرح تصوف بھی ہر قوم میں کارفرما رہا ہے۔ صوفی خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، عشق کو جزو حیات بنا کر ہی سلوک کی راہیں طے کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ عشق پر عامل انسان تمام رذائل اخلاق سے پاک ہو جاتا ہے کیونکہ عشق تمام انسانی عیوب کا ازالہ کر دیتا ہے، بقول رومی:

شاد باش اے عشق خوش سوراخے ما

وے طیب جملہ علت ہائے ما

مر کر اجامہ ز عشقے چاک شد

او، زحرص و آرز، کلی پاک شد (15)

تصوف کی ماہیت:

اقوام عالم کے صوفیانہ ادب اور صوفیوں کے اقوال کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اپنی ماہیت کے اعتبار سے تصوف اس اشتیاق کا نام ہے جو ایک صوفی کے دل و دماغ میں خدا سے ملنے کے لئے اس شدت کے ساتھ موجزن ہوتا ہے۔ کہ اس کی پوری عقلی و جذباتی زندگی پر غالب آ جاتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ صوفی، اسی یعنی خدا کو اپنا مقصود حیات بنایا ہے۔ گفتگو کرتا ہے تو اسی کی، خیال کرتا ہے تو اسی کا، یاد کرتا ہے تو اسی کو، کلمہ پڑھتا ہے تو اسی کا، شفق کی سرخی میں، دریا کی روانی میں، پھولوں کی مہک میں، بلبل کر آواز میں، تاروں کی چمک میں، صحرا کی وسعت میں باغ کی شادابی میں، غرض کہ تمام مظاہر فطرت اور مناظر قدرت میں اسی خدائی کا جلوہ نظر آتا ہے،

سایا ہے تو جب سے نظروں میں میری

جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

خدا، خالق کائنات ہے اور انسان اس سے رابطہ پیدا کر سکتا ہے۔ اس رابطے کی بنیاد اس بات پر ہے کہ خدا خود بندوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ: وقال ربکم ادعونی استجب لکم۔ (16) اگر تم مجھے پکارو گے تو میں جواب دوں گا۔ پھر مذہب نے دو چیزیں پیش کیں، پہلی چیز یہ ہے کہ اگر میری اطاعت کرو گے تو میں تمہیں اس کی جزا دوں گی یعنی جنت میں داخل کروں گا: اور میری نافرمانی کرو گے تو سزا دوں گا یعنی دوزخ میں ڈال دوں گا۔ دوسری چیز یہ کہ اگر اطاعت کے علاوہ تم مجھ سے محبت کرو گے تو میں تم سے محبت کروں گا اور اس محبت کا ثمرہ یہ ملے گا کہ تمہاری شخصیت میں میری صفات منعکس ہو جائیں گی، اور اس قرب یا اتصال کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم بچشم دل میرا دیدار کر سکو گے۔ اسی لئے اہل مذہب دو گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ جن لوگوں میں عقل کا غلبہ تھا انہوں نے صرف اطاعت شریعت کو کافی سمجھا اور جنت کو مقصود بنا لیا، لیکن جن لوگوں پر عشق کا غلبہ تھا انہوں نے صرف اطاعت شریعت کو کافی سمجھا اور جنت کو مقصود بنا لیا۔ اسی دوسرے طبقے کے افراد کو

عرف عام میں صوفی کہتے ہیں، اور اس تصریح سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہر صوفی دراصل عاشق ہوتا ہے۔ عشق اور تصوف مترادف الفاظ ہیں۔ تصوف ہی وہ رہنما، مشیر اور ناصح ہے کہ ہر وقت سالک کو تلقین کرتا ہے، کہ دیکھنا کہیں مقصود، نگاہ سے اوجھل نہ ہو جائے، اے انسان! تیرا مقصود حقیقی، اللہ سے رابطہ یا تعلق پیدا کرنا ہے، اس لئے جب تو نماز پڑھنے کھڑا ہو اور یہ دیکھے کہ مصلیٰ پاک ہے یا نہیں؟ منہ قبلے کی طرف ہے یا نہیں؟ تو ان ظواہر کے ساتھ ساتھ یہ بھی تو دیکھ کہ تیرا مقصود پاک ہے یا نہیں؟ دل اللہ کی طرف ہے یا نہیں؟ وس علیٰ ہذا۔ اگر بحالت نماز تیرا دل دنیا کی طرف ہے تو ایسی نماز بے حضوری سے، ظاہر شرع کا تقاضا تو پورا ہو جائے گا لیکن اللہ سے تعلق پیدا نہ ہو سکے گا، اور جب اس سے تعلق پیدا نہ ہو تو نماز کا مقصد حقیقی بھی فوت ہو گیا۔

تصوف سالک کو متنبہ کرتا ہے کہ اگر تو اللہ سے ایک لمحے کے لئے بھی غافل ہو گیا، تو ہفتوں بلکہ مہینوں میں بھی اس غفلت کی تلافی نہ ہو سکے گی۔ تصوف دل کی نگہبانی کا دوسرا نام ہے، کیونکہ انسان بظاہر جسم اور نفس کا نام ہے مگر درحقیقت دل کا نام ہے اور اگر دل مسلمان نہ ہو سکے گا تو رکوع و سجود یا زبان سے خدا کا اقرار، دونوں بے معنی ہیں۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ، تو کیا حاصل

دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

پس تصوف، دل نگاہ کو مسلمان بنادیتا ہے اور تصوف کے علاوہ دل و نگاہ کو مسلمان بنانے کی اور کوئی صورت نہیں ہے۔

تصوف، انسانی روح کا ذاتی تقاضا ہے، اپنی اصل سے واصل ہونے کے لئے، جو اس کی گہرائی میں سے ابھرتا ہے۔ اس تقاضے کا انسان کی خارجی (مادی) دنیاوی زندگی سے کوئی علاقہ نہیں ہے یعنی یہ تقاضا خارج سے انسان پر وارد نہیں ہوتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مناسب سہولتیں مل سکیں تو وہ بہتر اور اگر میسر آجائے تو اس میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس تقاضے کا نتیجہ اس رجحان طبع کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جس کی بدولت انسان کی پوری شخصیت کو دنیا کی عارضی اور فانی دلچسپیوں سے ہٹا کر، خدا سے وابستہ کر دیتا ہے، اور پوری توجہ اس کے حصول پر مرکوز کر دیتا ہے۔ یہ رجحان طبع، انسان کے دل میں خدا، خودی اور کائنات کا ایک خاص تصور قائم کر دیتا ہے مثلاً:

(الف) اس کی نگاہ میں حقیقی وجود صرف خدا کے لئے ہے۔ حقیقی معنی میں صرف خدا ہی موجود ہے۔

(ب) خودی (روح) اس حقیقی وجود سے صادر ہوئی ہے جیسے آفتاب سے شعاع کا صدر ہوتا ہے۔ اسی لئے خودی اور خدا میں ایک شدید رابطہ ہے۔ مولانا رومی کہتے ہیں کہ:

اتصال سے تکلیف سے قیاس ہست رب الناس را با جان ناس (17)

بہی وجہ ہے کہ خودی یا روح کو مادی دنیا کی کسی چیز سے قرار یا اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ صحبت ناخس تو عذاب الیم ہے۔ جس سے آشنائی نہ ہو اس کی صحبت کیسے راس آسکتی ہے؟ اسی لئے تواقبال نے یہ مشورہ دیا ہے کہ:

چشم بکشا کہ جلوہ دلدار متجلی است از درو دیوار (جاری ہے)

مأخذ ومصادر

- 1- امام ابو قاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رسالہ قشیریہ مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن، تحقیقات اسلام، اسلام آباد، 1970ء ص 430۔
- 2- ایضاً، ص 428۔
- 3- قلندر علی سہروردی، الفقہ فخری، مرکزی مجلس سہروردیہ لاہور، بار اول، ص 129۔
- 4- امام ابو بکر بن اسحاق، تعریف مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن، المعارف لاہور، 1391ھ، ص 138۔
- 5- سید علی جویری داتا گنج بخش، کشف الکجب، مترجم مفتی غلام معین الدین نعیمی، نوری بک ڈپولاہور، 1978ء ص 78۔
- 6- ایضاً ص 79۔
- 7- ایضاً، ص 79۔
- 8- بحوالہ بالا الفقہ فخری، ص 129۔
- 9- رئیس احمد جمعہ فخری، تصوف اور اسلام، کراچی، ص 189۔
- 10- ایضاً 189۔
- 11- بحوالہ بالا کشف الکجب، ص 75۔
- 12- بحوالہ بالا الفقہ فخری، ص 129۔
- 13- عارف عبدالمتین، پرکھ پڑچول، جدید ناشرین لاہور، 1979ء، ص 18۔
- 14- غلام احمد پرویز، تصوف کی حقیقت، ادارہ علوم اسلامیہ لاہور، 1981ء، ص 24۔
- 15- مولانا جلال الدین رومی، مثنوی معنوی، انتشارات پڑوہن خیابان انقلاب تہران، 1375 شمسی، دفتر اول، ص 6 بیسہ۔
- 16- 22، 23- المؤمن، 60: 40- 17۔ بحوالہ بالا مولانا رومی، دفتر چہارم، ص 589، بیت نمبر 760۔

☆ ﴿جدید سائنسی انکشاف اور اسلام﴾ ☆.....

مسواک کا استعمال جدید نو تھ پیسٹ سے زیادہ نافع ہے:

شاہ فیصل یونیورسٹی کے محققین نے ایک مطالعہ میں انکشاف کیا ہے کہ عرب اور ایشیائی ممالک میں دانت کی صفائی کے لئے مسواک کا استعمال برش اور جدید نو تھ پیسٹ وغیرہ سے زیادہ مفید ہے۔ رپورٹ کے مطابق اس سائنسی تحقیق کے بعد ان ملکوں میں مسواک کے استعمال اور اس کی فروخت قابل لحاظ حد تک اضافہ ہوا ہے، مطالعہ میں کہا گیا ہے کہ مسوڑھوں کی بیماری، دانت سے خون آنا اور پائیریا وغیرہ کے ازالہ کے لئے مسواک زیادہ کارگر اور موثر ہے، اس کے چبانے سے جو صاف عرق کشید ہوتا اور سلیکا کا مادہ نکلتا ہے، اس سے دانتوں کی مکمل صفائی ہو جاتی ہے، واضح رہے کہ سلیکا ایک قسم کی معدنی شے ہے جو داغ دھبوں کی صفائی میں معاون ہے۔